© rasailojaraid.com

اسلامیات کا مطالعہ

مولانا امتیاز علی خان عرشی ☆

ہندوستان میں ایک سے زائد ادارے مشرقیات اور اسلامیات پر کام کر رہے ہیں۔ جہاں تک عربی، فارسی اور اردو کے متون پر کام کرنے کا سوال ہے ملک میں اس کا معیار خاصا بلند ہو چکا ہے۔ حیدرآباد، بمبئی، دہلی، علی گڑھ، رام پور اور پٹنہ سے شائع کردہ متون اس کا روشن ثبوت ہیں۔

اسلامیات پر مستقل کتابیں اور تحقیقاتی مقالے شائع کرنے میں دار المصنفین اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین دہلی، اسلامک کلچر حیدرآباد اور جامعہ ملیہ دہلی جیسے اداروں نے لائقِ ستائش خدمات انجام دی ہیں۔

ان کے علاوہ دہلی، علی گڑھ، لکھنؤ، پٹنہ، کلکتہ اور حیدرآباد کی یونیورسٹیاں بھی اس مہم میں برابر ہاتھ بٹا رہی ہیں۔ چنانچہ ان دانش گاہوں کے عربی، فارسی، اردو اور تاریخ کے شعبے، لسانیات و ادب اور تاریخ و تذکرہ پر طلبہ سے ریسرچ کرا رہے ہیں اور صورتِ حال یہ ہے کہ اگر صرف گزشتہ ۲۰-۲۵ سال کے کاموں کا گوشوارہ مرتب کیا جائے تو ایم اے اور ڈاکٹریٹ کے لئے لکھے گئے مقالوں کا شمار سینکڑوں تک پہنچ چکا ہوگا۔ یہ صورتِ حال بڑی خوش آیند ہے۔

لیکن جہاں تک اسلامک اسٹڈیز کا تعلق ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے کام کرنے والوں کے ذہن میں اس کی حقیقت، غرض و غایت اور اس کے مالہ و ما علیہ کا واضح تصور نہیں، اس لئے جو کام ہمارے یہاں ہوتا ہے، وہ لسانی، ادبی یا تاریخی زیادہ اور اسلامیاتی کم ہوتا ہے۔

ہمیں سب سے پہلے یہ متعین کرنا چاہیئے کہ اسلامک اسٹڈیز کا مفہوم کیا ہے۔ ایسا کیے بغیر یہ بات واضح نہیں ہو سکتی کہ کسی شخص، جماعت، ادارے یا کسی تہذیب، ثقافت، فن، یا کسی عہد، خطے اور

☆ سہ ماہی "اسلام اور عصرِ جدید" دہلی سے شکریے کے ساتھ۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسل کے عام مطالعے اور اسلامیاتی مطالعے میں بنیادی فرق کیا ہے۔ عربی زبان کا ایک تو عام مطالعہ ہے۔ اس میں لغت، اشتقاق، صرف، نحو، معانی، بیان، نثر اور نظم سب پر کام کیا گیا ہے اور کیا جا رہا ہے لیکن عربی ہی کا ایک مطالعہ اس نقطۂ نگاہ سے ہے کہ اسلامی تحریک شروع ہوئی تو عربی زبان کا کیا انداز تھا اور اسلام نے اُسے اپنے مقاصد کے لئے برتا تو اُس میں کیا کیا انقلابات رونما ہوئے، علومِ لسان میں سے کون کون سے علم اسلامی ضرورتوں کے تحت ایجاد کئے، اور کن فنون کو دوسری قوموں سے مستعار لے کر ان میں نئے اصول وضوابط کا اضافہ کیا۔ اور ان سے کس حد تک اسلامی مقاصد اور ضرورتوں کی تکمیل ہوئی، یا وہ کس حد تک اسلامی ثقافت کے آئینہ دار ہیں۔ پھر اسلامی ثقافت کے زیرِ اثر عربی زبان نے اُن زبانوں پر کیا اثر ڈالا، جن سے اسے سابقہ پڑتا رہا اور خود ان زبانوں سے اس نے کیا کیا اثرات قبول کئے اور وہ اسلامی ثقافت کے لئے مفید ثابت ہوئے یا مُضر، ظاہر ہے کہ ان دونوں اندازہائے مطالعہ میں بیّن فرق ہے۔

اس کے بعد اسلامیاتی مطالعے کے مقصد کی تعیین وتحدید درکار ہے تاکہ اس نصب العین کے پیشِ نظر زیادہ سے زیادہ مفید طریقِ بحث کی طرف رہنمائی ہو سکے۔ مقصد کی بلندی، وسعت اور اہمیت ہی طریقِ کار کی اصابت، افادیت اور مقبولیت کی ضامن ہوتی ہے۔ ہم کسی شخص سے بھی خدمت وفداکاری کا مط[illegible] نہیں کر سکتے تاوقتیکہ پہلے یہ امر اس کے ذہن نشین نہ کر دیں کہ جس مقصد کے لئے قربانی درکار ہے، وہ بہ[illegible] حاصل کرنے کا ہے۔

اس کے بعد اسلامیاتی مطالعے کے مبادی کی تحصیل کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ میری دانست میں اسلامیا[illegible] مطالعہ کرنے والے کو سامی زبانوں میں سے عربی اور عربی کی پیشرو زبانوں میں سے عبرانی آرامی کا علم ہونا چا[illegible] آریائی زبانوں میں سے فارسی لازمی اور پہلوی، ترکی اور پشتو استحسانی طور پر سیکھنا چاہیئے، مغربی زبانوں [illegible] انگریزی لازمی اور جرمن و فرانسیسی استحسانی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان زبانوں کی تحصیل کے بغیر زیرِ بحث مط[illegible] ناقص و ناتمام رہے گا اور ہم عالمی برادری میں کوئی نمایاں مقام کبھی حاصل نہ کر سکیں گے۔

مبادی کے بعد اسلامیاتی مطالعے کے محور یعنی اسلام کا علم ضروری ہے۔ یہ محور اس حیثیت سے [illegible] آئے گا کہ وہ عقائد و اعمال کا ایک منظم اور مربوط مجموعہ ہے۔ عقائد و اعمال کی بحث سے ذرائع علم کی [illegible] اُبھرتی ہے، اور اس طرح ہم کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے دوچار ہوتے ہیں۔ ذرائع علم میں سے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بحث کے ضمن میں عقائد و اعمال کے ساتھ ساتھ قصص و امثال، تاریخ و جغرافیہ اور لغت و قواعد: بحث آتے ہیں۔

اس کے بعد یہ بحث سامنے آتی ہے کہ مذکورہ بالا ذرائع علم کے مشتملات کے بارے میں اسلام کا کیا ہے۔ آیا یہ کلاً یا جزءاً ابداع ہیں، یا امم سابقہ سے ماخوذ و مقتبس ہوئے ہیں۔ اسی ضمن میں گرد و پیش دوسرے مذاہب کا تقابلی مطالعہ بھی لازم ہو جائے گا، اور ہمیں یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، صابئہ بدھ مت اور ہندو مذہب کا براہ راست علم بھی درکار ہوگا، تاکہ عدم علم یا علم کی کمی کی بنا پر غلط نکالنے کے مجرم نہ بنیں۔

کتاب و سنت کی تشریح و تفسیر میں جو اختلاف رونما ہوا، اس کے وجوہ و اسباب کیا تھے، [illegible] بحث بھی بے حد ضروری ہے۔ یہ بحث مختلف کلامی و فقہی مذاہب اور ان کے آراء و نظریات کی تحقیق تک پہنچاتی ہے جس سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ ان اصولی و فروعی فرقوں کے تصادم آراء و نظریات سے کیا سیاسی نتائج نکلے۔ اسی ضمن میں یہ بحث بھی ہونا چاہیے کہ اسلام کوئی نظریۂ حیات پیش کرتا ہے؟ اگر کرتا ہے تو اس نظریے کے حدود کیا ہیں، اور اس کی عملیت و افادیت پر زمان و مکان کے تغیر کا [illegible] ہے یا نہیں؟ اگر پڑتا ہے، تو اس میں اس اثر کے قبول کرنے کی کس حد تک گنجائش ہے؟ نیز یہ کہ [illegible] حیات نے دوسری قوموں پر زندگی کے مختلف میدانوں میں کیا اثر ڈالا۔ کوئی بھی نظریہ جو اس کی عم[illegible] پر غور کرتے وقت یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کی علم برداری کی ہے، ان کے اعمال کا اسلامیاتی نقطۂ نگاہ سے جائزہ لیا جائے۔ اس طرح ہم تاریخ و تذکرہ کی [illegible] میں داخل ہو جاتے ہیں اور علماء، صوفیاء، اہلِ حرفہ، سلاطین، وزراء اور امراء ہمارا موضوعِ بحث ہو جاتے ہیں۔ [illegible] کا مطالعہ ہمیں بتا سکتا ہے کہ اسلامی عقائد و اعمال نے خود ان طبقات پر اور ان کے توسط سے [illegible] انسانوں پر کیا مثبت اور منفی اثرات چھوڑے۔

چونکہ ادھر بیان کئے ہوئے تمام پہلوؤں پر بحث موضوعی نقطۂ نظر سے بھی ہوتی ہے [illegible] بھی۔ اس لئے انیسویں صدی کے نصف اول تک اسلامی علوم و فنون پر [illegible] اسلامی علوم و فنون پر موافقانہ یا مخالفانہ [illegible] قرار پاتا ہے، اور جاسے لئے ضروری ہو جاتا ہے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیت کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیں۔

رہا اسلام کا معروضی مطالعہ. تو اس بارے میں غور و فکر کرنا ضروری ہے کہ مذہب کے معروضی مطالعے کے حدود کیا ہوں، اور کس قسم کے موضوعات میں کس حد تک اسے برتا جائے، اور کیا اسلام کا معروضی مطالعہ کیا بھی گیا ہے۔ اگر کیا گیا ہے، تو اُس مطالعے کا تاریخی خاکہ اور جائزہ کیا ہوگا۔

ایک عرصے سے ہندوستان میں تحصیلِ علم کا عمومی مقصد معاشی سہولتیں مہیّا کرنا ہے۔ ہر طالب علم یہ چاہتا ہے کہ ایسا علم حاصل کرے جس کی جلد تحصیل ہو سکے اور جو بآسانی ذریعۂ معاش بن جائے۔ چونکہ یہ نکتہ تحصیل کے آخری مرحلے تک پیشِ نظر رہتا ہے، اس لئے ڈاکٹریٹ کے لئے مقالے لکھنے والے بھی ایسا موضوع پسند کرتے ہیں، جس پر کم سے کم محنت میں اور تا بہ امکان کم ترین مدّت کے اندر مقالہ مرتّب ہو سکے، خواہ مقالہ داخل کر دینے کے بعد یہ ہمیشہ کے لئے یونیورسٹی کے کسی تاریک کمرے ہی میں کیوں نہ پڑا سڑتا رہے۔

مزید برآں ہمارا ملک ابھی تک مختلف قسم کی ذہنی قید و بند میں جکڑا ہوا ہے۔ جب انسان کی عام رفتار میں خلل ڈالنے کے لئے معمولی سی بندش بھی کافی ہوتی ہے، تو جس کو مذہبی، سماجی اور سیاسی قسم کی بہت سی بندشوں سے سابقہ ہو، اس کا ذہن آزادانہ غور و فکر کے لئے کیسے آمادہ ہو سکتا ہے اور اگر کسی نہ کسی طرح یہ آمادگی بروئے کار آ بھی جائے تو مسلّمات قوم کے برخلاف نکل آنے والے نتائج کے اظہار کی ہمّت کہاں! اور ہمت بھی قرض دام کر لی جائے تو قدر دان کون ہے جس کی ہمّت افزائی سے کام کرنے والوں میں ولولہ پیدا ہو اور ملک و قوم کو اعلیٰ صلاحیتوں کے محقق میسر آتے رہیں!

یورپ و امریکہ کے لوگ سالہا سال سے آزاد زندگی گزار رہے ہیں۔ اُن کی فکر بھی آزاد ہے اور عمل بھی، چونکہ اُن کے اعلیٰ کاموں کے قدردان موجود ہیں، حکومتیں بھی اور پبلک ادارے بھی، اس لئے انھیں کسی کام کے کرنے میں جو دشواریاں پیش ہوتی ہیں اُن کا حل بھی جلد یا بدیر نکل آتا ہے۔ آزادی و قدردانی نے اُن کے اندر جوش اور ہمّت بھی پیدا کر دی ہے۔ یہ لوگ سچ مچ تارے توڑ رہے ہیں اور مادّی جسم کے ساتھ فلک پیمائی پر قادر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان کے اپنے جوش و ہمّت اور ملک و قوم دونوں کی قدردانی نے ہر میدان میں انھیں کام کرنے کی بھرپور توفیق عطا کی ہے جس کی بدولت وہ مشرقیات بہ زیادہ اور اسلامیات پر بھی وہ کچھ کر گزرے ہیں جس کی ہم سے نقل بھی نہیں کی جاتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ سب واقف ہیں کہ مستشرقین کئی کئی یورپین زبانوں کے ساتھ عربی و فارسی ہی نہیں، ان کی پیشرو زبانیں عبرانی، سریانی و آرامی اور پہلوی اور اوستائی بھی جانتے ہیں۔ اس لئے جب وہ عربی یا فارسی الفاظ کی ماہیت سے بحث کرتے ہیں تو ہم لوگ بجز آمنا و صدقنا یا کفرنا و کذبنا کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک نے اپنی زبان کے بارے میں عربی مبین" ہونے کا دعوا کیا ہے، علمائے قرآنیات کی ایک جماعت اس کا مطلب یہ لیتی ہے کہ اس کتاب میں غیر عربی کوئی لفظ نہیں آیا، دیگر علمائے قرآن کے اندر معرب الفاظ کی تعیین کر کے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے۔ بہرحال یہ بزرگ زائد سے زائد یہ بتا سکے ہیں کہ فلاں لفظ اصلاً فارسی ہے یا قبطی یا سریانی وغیرہ۔ اس کے حسب نسب سے تفصیلی بحث اس لئے نہ کر سکے کہ جن دوسری زبانوں کے الفاظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں ان سے وہ بقدرِ ضرورت واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اس مبحث پر سیر حاصل بحث اگر کسی نے کی تو وہ آرتھر جیفری ARTHUR JEFFERY ایک انگریز مستشرق ہے۔ اس کی کتاب 'THE FOREIGN VOCABULARY OF THE QUR,AN' پڑھ کر آپ کہیں کہیں اختلاف تو کر سکتے ہیں، مگر اُس کی محنت اور ژرف نگاہی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ مؤلف نے اس کے لکھتے وقت وہ سب کتابیں اپنے سامنے رکھی ہیں جو مشرق و مغرب دونوں میں اس موضوع پر لکھی جا چکی تھیں۔

چونکہ احادیث کے مجموعے مختلف انداز سے مرتب کئے گئے ہیں، اس لئے ان میں سے کسی خاص حدیث کی تلاش اُس وقت تک آسان نہیں، جب تک تلاش کرنے والے کو ان مجامیع کے مشتملات پر کافی عبور نہ ہو۔ اس دشواری کو دُور کرنے کے لئے علمائے اسلام نے مختلف انداز کے انڈکس مرتب کر کے غیر محدثین یا کم حافظہ علماء کے لئے سہولتیں پیدا کیں۔ تحفۃ الاشراف، الجامع الصغیر اور کنز العمال وغیرہ کتابیں اس کوشش کا کامیاب نمونہ ہیں۔ لیکن جیسے جیسے حافظہ کمزور ہوتا جا رہا ہے اور مہارت گھٹ رہی ہے، اس کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے کہ احادیث کے اندر مستعمل تمام الفاظ کا انڈکس مرتب کیا جائے، تاکہ ممکنہ آسانی کے ساتھ ہر حدیث تک رسائی ہو سکے۔ یہ کام بہت بڑا بھی تھا اور بے حد دشوار بھی، مگر مستشرقین کی ایک جماعت نے اس فولادی قلعے کو پانی کر کے بہا دیا۔ "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی" کے نام سے ایک جامع کتاب مرتب کر کے چھاپنا شروع کر دی جس کی ۴ جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے آپ چند لمحوں میں صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند احمد بن حنبل اور سننِ دارمی کی کسی حدیث کے بارے میں معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کن کن کتابوں کے اندر کون کون سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابواب میں مذکور ہے۔ اس کے مرتبین کی تعداد جلد اول میں ۳۸ اور جلد چہارم مین ۴۵ بتائی گئی ہے، ان میں صرف ۳ مسلمان نام، ڈاکٹر ھدایت حسین مرحوم، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مدظلہ' اور اے منصور نظر آتے ہیں، یہ محیرالعقول کام ہالینڈ کے مستشرق شہیر ونسنک A. G. WENSINCK کی قیادت میں ہوا ہے۔ تاریخ و سیرت و جغرافیہ پر بھی ان حضرات کا کام قابلِ رشک ہے۔ سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، تاریخ طبری، تاریخ مسعودی، تاریخ یعقوبی، تاریخ بلاذری اور مغازی واقدی جیسی کتابیں انھیں کی تصحیح سے چھپی ہیں۔ یہی صورتِ حال ادبیات کی ہے کہ متقدمین کی بیشتر نادر و نایاب کتابیں انھیں کی تلاش و تحقیق کے زیرِ سایہ دوبارہ زندہ ہوئی ہیں۔ ان کی تصحیح و تحشیہ کے بعد کتنی نادر کتابیں شائع ہوئیں، یہ دیکھنا ہو تو نجیب العقیقی کی المستشرقون (عربی) یا ابوالقاسم کی فرہنگ خاور شناسان ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر بروکلمان G. BROCKELMANN نے تمام عالم کے عربی مخطوطات کی اور پروفیسر اسٹوری C. A. STOREY نے دنیا کے فارسی مخطوطات کی حیرت انگیز فہرستیں مرتب کردی ہیں۔ جن حضرات کو انھیں استعمال کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے، وہ ان کتابوں کی جامعیت اور افادیت سے کما حقہ' واقف ہیں۔

یہی صورتِ حال پروفیسر براؤن E. G. BROWNE کی تاریخِ ادبیاتِ فارسی کی ہے کہ خود ایرانی علما بھی اس سے بہتر کتاب ابھی تک مرتب نہیں کرسکے۔ ادبیاتِ عرب کی تاریخ پر مصر و شام کے متعدد عالموں نے کتابیں لکھی ہیں، لیکن ڈاکٹر نکلسن کی کتاب تا ایں دم اپنی جگہ پر ہے۔

غرض یہ ہے کہ اہلِ یورپ نے عربی و فارسی زبان کی جو کتابیں شائع کی ہیں، ندرت، قدامت، تصحیح، تہذیب اور صفا میں ان کا یہ عالم ہے کہ موجودہ عربوں کی ہمت اس سے قاصر ہوگئی کہ ان کا مثیل پیش کرسکیں، لہذا بعض عرب اداروں نے ان کے عکس چھاپ دینے کو اپنا کمالِ خدمت قرار دے لیا ہے۔

ان علماء کے اتنے بڑے بڑے اور اتنے زیادہ کام کر لینے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جن زبانوں پر یہ لوگ کام کرتے ہیں، پہلے اپنے مقام پر ان کا بھرپور علم حاصل کرتے ہیں۔ بعد ازاں متعلقہ ملک میں جاکر اپنی زبان دانی کی تکمیل کرتے ہیں اور جب خود کام کرنے بیٹھتے ہیں تو ان تھک کوشش اور انتہائی لگن اور خلوص سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ نتیجتہً ان کا کام پائدار بھی ہوتا ہے اور مفید بھی۔ میں یہ عرض نہیں کر رہا ہوں کہ ان کے کاموں میں غلطیاں نہیں ہوتیں، خود میں نے بہت سی غلطیوں کی گرفت کی ہے اور دوسرے علماء و فضلاء کی بتائی ہوئی ان کی غلطیاں بھی میری نظر سے گزر چکی ہیں۔ ان میں صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف نقطۂ نگاہ یا سہو سے پیدا ہونے والی کوتاہیاں ہی نہیں ہوتیں، ایسی لغزشیں بھی ہوتی ہیں جو غلط فہمی کا نتیجہ قرار پاتی ہیں۔ لیکن ان کا غلط ان کے صواب کے مقابلے میں ناقابلِ التفات ہے، اس لیے ہم مجبور ہیں کہ اپنے لب ان کی ستائش ہی میں کھولیں اور ان کے احسانات کا برابر شکریہ ادا کرتے رہیں کیونکہ یہ لوگ مشرقیات پر عموماً اور اسلامیات پر خصوصاً اتنا کام نہ کر چکے ہوتے، تو آج ہم بہت کچھ محروم الارث ہوتے۔

ان کے بالمقابل ہم اوّلاً تو کام ہی کم کرتے ہیں، اور کرتے بھی ہیں تو انتہائی سہل انگاری اور بے حد بے دلی کے ساتھ۔ گویا وہ کام ہم پر بار ہے۔ میری دانست میں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم میں جو قدیم اندازِ فکر کے ہیں، وہ مغربی علوم اور زبانوں سے ناواقف ہیں، اور جن کی تعلیم جدید انداز پر ہوئی ہے، وہ نہ صرف عربی و فارسی علوم و فنون میں پس ماندہ ہوتے ہیں بلکہ خود زبانِ عربی و فارسی کا ضروری علم بھی نہیں رکھتے۔ چناں چہ بہت سے تاریخِ ہندوستان کے مسلم عہد پر کام کرنے والے سرے سے فارسی نہیں جانتے، اس لیے یا کسی منشی سے معمولی معاوضے پر فارسی تاریخوں کا ترجمہ سُن سُن کر نتائج نکالتے ہیں یا انگریزی تراجم پر اپنے کام کا مدار رکھتے ہیں۔ ایک اسکالر "ہندی شاعری پر اسلامی تصوف کے اثرات" کے عنوان پر ڈاکٹریٹ کے لئے مقالہ لکھ رہے تھے اور فارسی ہی نہیں اُردو سے بھی ناواقف تھے۔

چونکہ ہندوستان ہمیشہ سے علمی دنیا میں سربلند رہا ہے، پھر یہاں علمی ذخائر کی بھی فراوانی ہے، اب حکومت بھی تحقیقاتی مساعی میں فراخ دلی سے امداد کرنے کو آمادہ رہتی ہے، لہٰذا یہاں کے اربابِ علم و دانش کو کوتاہ دستی سے کام نہیں لینا چاہیئے اور نہ صرف خود اعلیٰ علمی کام کرنا چاہیئے بلکہ اپنی تعلیمی و تدریسی رہنمائی سے ایسی نسل بھی تیار کر دینا چاہیئے، جو دنیائے علم میں عموماً اور اسلامیات میں خصوصاً ملک و قوم کے شایانِ شان کام کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ اگر اس طرف توجہ نہ کی گئی، تو وہ وقت قریب ہے جب کم از کم جدید دانش گاہوں میں عربی اور فارسی کے جاننے والے عنقا ہو جائیں گے۔ کیونکہ دنیائے علم کا مشرقی شعبہ بالخصوص انحطاط کے لحاظ سے بے حد تیز رفتار رہا ہے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرنا ہے۔ قرآن کا مخالفانہ مطالعہ کرنے والوں نے اس کی تعلیم کو حقیر ثابت کرنے کے لئے اس کے مشتملات پر مذہبی، سائنسی اور تاریخی اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً کبھی یہ کہتے ہیں کہ ان کے عقائد و اعمال قدیم مذہبی نوشتوں سے ماخوذ ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں کہ اس کے فلاں فلاں قصے یا فلاں فلاں قصوں کے مخصوص اجزاء بے سروپا ہیں کیونکہ تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا یا اس کے بیان کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتا ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ آسمان و زمین وغیرہ کائناتی حقائق کا تذکرہ غیر عالمانہ ہے۔ موجودہ علم و تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ آسمان صرف حدِ نظر ہے، زمین سورج کے گرد اور چاند زمین کے گرد گھوم رہا ہے۔ نیز فلک ایک ہے یا پھر ۹ وغیرہ۔

ہندوستان و مصر کے علمائے اسلام نے مذکورہ بالا علماء کے مقابلے میں جو رویہ اختیار کیا، وہ نقل کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کا تھا۔ آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ مادی علم روز بروز ترقی کر رہا ہے اور جو آج کی حقیقت ہے، وہ کل کا باطل بن رہی ہے۔ میری حقیر رائے میں اب یہ کوشش ختم کر دینی چاہیئے اور قرآن پاک کے مشتملات کو جوں کا توں مان لینا چاہیئے کیونکہ اگر ہم اپنے پیشرو مفسروں اور متکلموں کی پیروی میں عقل و نقل کے تطابق کی ایسی ہی کوشش کرتے رہے تو جن لوگوں کی تسکینِ طبع کے لئے یہ کام کیا جاتا ہے خود وہی یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ قرآن میں سرے سے حقائق کا ذکر ہی نہیں، ورنہ اس کی حقیقتیں اتنی ناپائدار نہ ہوتیں کہ مادی علم کے ہر دباؤ کے ساتھ مڑ جاتیں۔

علاوہ ازیں انھیں یہ خیال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک جن پر پہلی بار نازل ہوا تھا، وہی اس کو نہ سمجھ سکے، اور نہ صرف یہ کہ وہی نہ سمجھے بلکہ یہ سلسلہ تا ایں دم جاری و ساری ہے اور خدا جانے کب تک یہی صورت رہے گی۔ میرا دل ان دونوں باتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

بے شک قرآن میں ایسے حقائق بھی مذکور ہیں جن کی ماہیت فہمِ انسان سے بالاتر ہے اور رہے گی۔ مگر جن آیات میں یہ حقائق مذکور ہیں، قرآن نے انھیں متشابہات فرمایا، اور ان پر بحث و تمحیص اور ان کی تاویل و تفسیر سے روکا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں ان آیات پر غور و خوض کرنے والے دل کے مریض ہوتے ہیں۔ اہلِ ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ انھیں برحق مانتے ہوئے ان پر بحث و تمحیص سے احتراز کریں۔ کیونکہ کسی طرح بھی ان آیات کے حقیقی مطلب کو نہ پا سکیں گے اور نتیجتاً تفسیر بالرائے کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔ مولانا ابوالکلام مرحوم و مغفور نے ترجمان القرآن کے دیباچے میں تفسیر بالرائے کے بارے میں لکھا ہے:

"تفسیر بالرائے میں رائے بمعنی لغوی نہیں ہے بلکہ رائے مصطلحۂ شارع ہے، اور اس سے مقصود ایسی تفسیر ہے جو اس لئے نہ کی جائے کہ قرآن کیا کہتا ہے بلکہ اس لئے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن کے طریقِ استدلال کو منطق کا جامہ پہنانا، یا جہاں کہیں آسمان اور کواکب کا ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے الفاظ آگئے ہیں، یونانی علمِ ہیئت کے مسائل چپکانے لگنا یقیناً تفسیر بالرائے ہے۔" یا مثلاً آج کل ہندوستان اور مصر کے بعض دانش فروشوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ (انھیں کے لفظوں میں) زمانۂ حال کے اصول علم و ترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں' یا بقول اُن کے فلسفہ و سائنس اس کی ہر آیت میں بھر دیا جائے۔ گویا قرآن صرف اس لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور نیوٹن نے یا ڈارون اور ویلیس نے بغیر کسی الہامی کتاب کی، فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کرلی، اُسے چند صدی پہلے معموں اور بجھارتوں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے اور پھر وہ صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئیں' یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوں اور تیرہ سو برس پیشتر کے معمے حل فرمائیں یقیناً یہ طریقِ تفسیر بھی ٹھیک تفسیر بالرائے ہے۔" (ترجمان القرآن ۱/ ۲۷)

سرسید علیہ الرحمۃ کی تفسیر بالرائے پر یہی اعتراض کیا گیا کہ یہ روز روز کی تاویلیں تو قرآن کو کھلونا بنادیں گی تو اُنھوں نے مقدمہ تفسیر القرآن (صفحہ ۱۹) میں ارشاد فرمایا:۔

"ہم اس طعنے کو بطور ایک بشارت کے نہایت خوشی سے تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن مجید حقیقتِ امور کے مطابق ہے، کیونکہ وہ ورڈ آف گاڈ ہے اور بالکل ورک آف گاڈ اس کے مطابق ہے۔ مگر اس میں بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہمارے ہر درجۂ علم میں ان اُمور میں جن کی ہدایت کے لئے قرآن نازل ہوا ہے، یکساں ہدایت ہے۔ اس کے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہیں کہ جہاں تک ہمارے علوم کی ترقی ہوتی جائے گی، اور اس ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اس پر غور کریں گے، تو معلوم ہوگا کہ اس کے الفاظ اس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہیں، اور ہم کو ثابت ہو جائے گا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیئے تھے اور اب غلط ثابت ہوئے، وہ ہمارے علم کا قصور تھا، نہ الفاظ قرآن کا۔ پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانے میں ایسی ترقی ہو جائے کہ اس وقت کے اُمور محققہ کی غلطی ثابت ہو، تو ہم پھر قرآن مجید پر رجوع کریں گے اور اس کو ضرور مطابقِ حقیقت پا دیں گے اور ہم کو معلوم ہوگا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیئے تھے وہ ہمارے علم کا نقصان تھا، قرآن مجید ہر ایک نقصان سے بری تھا۔"

یقین ہے کہ میری طرح بہت سے اہلِ علم بھی اس جواب سے مطمئن نہیں ہوں گے، اور وہ اس کا حل تلاش [illegible] گے یا تلاش کرنے میں مشغول و مصروف ہوں گے، بہرحال میں نے اپنی جگہ جو سوچا سمجھا او طے کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے وہ پیش کرتا ہوں:-

یہ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں قریش کے محاورے پر نازل ہوا ہے۔ یہ بھی سب کا مسلّمہ ہے کہ الفاظِ قرآنیہ کبھی حقیقی معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور کبھی مجازی میں۔ یہی وجہ ہے کہ خود قرآنِ پاک میں ذاتِ باری کے لئے "لیس کمثلہ شیٔ" کی تصریح کے ساتھ ید اللّٰہ فوق ایدیہم، اینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ، ثم استویٰ علی العرش اور وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض بھی موجود ہے۔ اگر ید وغیرہ کا استعمال مجازی معنی میں استعمال نہ کیا جائے، تو ذاتِ باری کی تجسیم کا قائل ہونا پڑے گا جو جمہورِ اسلام کے خلاف ہے۔

علاوہ ازیں قرآن پاک میں انھیں پیغمبروں اور کتابوں کا ذکر ہے، جن سے اہلِ عرب آگاہ تھے، انھیں عقائد و رسوم کی تردید یا تائید ہے، جو عربوں یا اُن کے گرد و پیش کی اُمتوں میں پائے جاتے تھے، اور اُنہی اُمتوں کے قصّے مذکور ہوئے ہیں جو عربوں کی جانی پہچانی تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مخالفینِ اوّلین پر وہ اخلاقی اثر نہ ہوتا جو براہِ راست علم و معرفت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ نیز قرآن میں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے دور دست ملکوں اور پیغمبروں اور اُمتوں کے قصّے بیان کئے جاتے تو عرب کے عام لوگ کبھی اُسے من گھڑت اور خیالی قصّے مان کر نظرانداز کر دیتے۔

یہی صورت حال انسان سے متعلق علم کی بھی ہے کہ قرآن میں وہی باتیں مذکور ہوئی ہیں جن سے اہلِ عرب آگاہ تھے۔ کوئی ایسی بات جو اس وقت کے علم کے خلاف ہو بیان نہیں کی گئی، کیونکہ ایسا کیا جاتا تو بحث و تمحیص کا رُخ اخلاق سے ہٹ کر علم تشریح الاعضاء اور تشریح افعال الاعضاء کی طرف ہو جاتا، جو قرآن پاک کا منشا نہ تھا۔ مثلاً قرآن پاک کی آیات ختم اللّٰہ علی قلوبہم ... یا لہم قلوب لا یعقلون بہا ... یا الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] ہے [illegible] سب واقف ہیں کہ مذکورہ بالا خدمات دل سے نہیں، دماغ سے متعلق ہیں اور دل کا کام پورے [illegible] پہنچاتے رہنا ہے [illegible] اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس وقت کی دنیا ہر طرح کی حس و حرکت کا منبع دل کو [illegible] تھی، عرب بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ ایسی صورت میں قرآن میں دل کی جگہ دماغ ہوتا تو اہلِ عرب [illegible] کو روزمرہ کے عام [illegible] سے بھی ناآگاہ سمجھتے اور قبولِ اسلام کی راہ میں بہت سی دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ [illegible]

میری دانست میں قرآن کے اندر [illegible] آسمانوں کا ذکر بھی اسی قبیل کا ہے۔ اور یہی توجیہ سات آسمانوں [illegible] سات زمینوں وغیرہ کی بھی ہے [illegible] اہلِ عرب اسی کے قائل تھے [illegible] ان [illegible] ہیئت کی [illegible] اعلام کرتے تھے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھرپور حملہ کیا گیا، اور مختلف آیات میں یہ بتایا جاتا رہا کہ زمینوں، آسمانوں، سورج، چاند، زحل و مشتری وغیرہ تمام اجرامِ سماوی کا خالق، مالک اور مدبر صرف اللہ ہے۔ خود ان میں کسی طرح کی ارادی قوت و طاقت نہیں کہ جس سے کام لے کر انسان کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں، اسی لئے یہ معبود بننے کی صلاحیت سے بھی یکسر محروم ہیں۔

اسی پر دوسرے طبیعیاتی اُمور کو قیاس فرمایئے کہ ان کا مذکور بھی مخاطبین اوّلین کے علمی مسلّمات کے مطابق کیا گیا ہے۔ رہے قصصِ قرآنی، تو وہ بھی وہی مذکور ہیں اور اسی انداز پر مذکور ہیں، جن سے اہلِ عرب یہودی، مسیحی، صابی اور مشرک واقف تھے۔ ہاں، جہاں کہیں ان لوگوں نے کوئی ایسی بات کسی ہستی سے منسوب کر رکھی تھی، جو تعلیمات اسلام کے خلاف تھی، اس کی تردید ضرور کر دی گئی ہے، تاکہ بیانِ قصص سے جو فائدہ مطلوب ہے، وہ کسی طرح متاثر نہ ہو، جیسے حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کے واقعات کے بیان میں نظر آتا ہے۔

میں اپنے مدعا کو مختصر مگر جامع الفاظ میں اس طرح ادا کر سکتا ہوں کہ قرآنِ پاک میں جو کچھ مذکور ہے وہ تمام تر حقیقت ہے، مگر حقائقِ قرآنی کی دو قسمیں ہیں۔ حقائقِ نفس الامری اور حقائقِ مسلّمۂ قوم۔ ذات و صفاتِ باری، ملائکہ، جنّت و دوزخ وغیرہ سے متعلق قرآن کا حصہ معناً تو حقیقت نفس الامری ہے، مگر لفظاً حقیقتِ مسلّمۂ قوم ہے۔ زمین، آسمان، بروجِ سماوی، سورج اور چاند وغیرہ کائناتی اشیاء کا تذکرہ یا قصص و امثالِ قرآنی کا بیان انھیں دونوں قسموں کے اندر سما جاتا ہے۔

قرآن کے حقائقِ نفس الامریہ غیر متبدل ہیں۔ یہ ازل تا ابد ایک رہیں گے۔ رہے حقائقِ مسلّمۂ قوم تو ان میں علم کی ترقی کے ساتھ تغیّر و تبدّل ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ لہٰذا ہمیں عقل و نقل کے تطابق کی مزید کوشش ترک کر دینا چاہیئے اور قرآن کو فلسفہ و حکمت کی جگہ تزکیۂ نفس، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن کے میدانوں میں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والی کتاب مان کر اُس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

© rasailojaraid.com